© rasailojaraid.com

عورت کی حکمرانی قرآن و سُنت کی روشنی میں

مولانا گوہر رحمٰن صاحب - مردان

(۲)

عورت کی حکمرانی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی روشنی میں

پاکستان کے دستور کی دفعہ ۹۱ (۲) میں تو وزیر اعظم کے لیے مرد ہونے کی تصریح نہیں کی گئی لیکن دفعہ ۲ میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے اور دفعہ ۲ (الف) میں قرار دادِ مقاصد کے اُصول کو دستور کا مستقل اور موثر حصہ قرار دیا گیا ہے اور قرارداد مقاصد میں کہا گیا ہے کہ:

"جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اُصولوں کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پوری طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔"

جب اسلام ریاست کا سرکاری مذہب ہے اور "مساوات کی اسلامی تشریح" کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ اسلام کے احکام اس کی اجازت نہیں دیتے۔ دفعہ ۹۱ میں یہ تصریح تو نہیں کی گئی کہ عورت بھی وزیر اعظم بن سکتی ہے لیکن دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ (الف) میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اسلام سرکاری مذہب ہے اور جمہوریت و مساوات کی اسلامی تشریح کو ملحوظ رکھنا لازم ہے تو ان دونوں دفعات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کا مرد ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح دفعہ ۴۲ اور دفعہ ۹۱ (۳) کی رُو سے صدر اور وزیر اعظم دونوں کے حلف ناموں میں یہ بات شامل ہے کہ "میں قرآن پاک اور سنت کی جملہ تعلیمات و مقتضیات پر ایمان رکھتا ہوں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن و سنت کی رُو سے تو عورت صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب خاتون وزیر اعظم کا حلف اُٹھاتی ہے تو وہ خود اپنے حلف کے الفاظ کی خلاف ورزی کرتی ہے اس کے علاوہ دستور کے سرکاری طور پر شائع کردہ اردو ترجمے میں مذکر کا صیغہ آیا ہے۔ اس سے بھی یہی تشریح ہوتا ہے کہ دستور بنانے والوں کے ذہن میں عورت کو وزیر اعظم بنانے کا خیال موجود ہی نہیں تھا۔ سنہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں اور تمام مکاتب فکر کے علماء کے مرتب کردہ ۲۲ نکات میں بھی سربراہِ حکومت اور سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

شبہات اور ان کا ازالہ

کچھ صحافیوں نے اس دینی مسئلے کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ شبہات دراصل مغربی جمہوریت کے وہ جراثیم ہیں جو ہمارے معاشرے میں پھیل چکے ہیں۔ ان شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے تاکہ متلاشیانِ حق کا ذہن صاف ہو جائے۔ درج ذیل سطور میں ممکنہ شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

۱۔ مرد و زن کی مساوات کو سندِ جواز بنانا

آج کل سب سے بڑا نعرہ یہ لگایا جا رہا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ہر لحاظ سے برابر ہیں اور اس مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ مرد اور عورت حکمرانی کرنے کے حق میں بھی مساوی ہوں۔

جواب

مرد اور عورت انسانی کرامت اور بنیادی حقوق میں تو برابر ہیں لیکن ذمہ داریوں اور صلاحیتوں میں دونوں برابر نہیں ہیں۔ عورت پر یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ سیاست البیت کے ساتھ اس پر سیاست المدن کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ورنہ دونوں کے تقاضے پورے کرنا مشکل ہو جاتا۔ حکومت کرنا ایک حق نہیں ہے بلکہ ایک ڈیوٹی ہے اور ایک فرض ہے جو دوسری گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے عورت پر نہیں ڈالا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بوجھ کم کرنا حق تلفی نہیں ہے اور اس بوجھ کی کمی پر احتجاج کرنا دانشمندی نہیں ہے، بلکہ دیوانگی کی علامت ہے۔ عورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر نماز جمعہ، نماز عید اور نماز جنازہ فرض نہیں ہے تو کیا یہ اس کی تحقیر اور توہین ہے؟ ہرگز نہیں! یہ تو اس پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے بوجھ کم کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد و زن انسانی کرامت ایمانی شرافت اور بنیادی حقوق میں تو برابر ہیں، لیکن اسلام نے ذمہ داریوں اور فرائض میں یکسانیت نہیں رکھی، بلکہ تنوع اور تقسیم کار کا اصول پیش کیا ہے۔ عورت کا فرض گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنا ہے اور مرد کا فرض بیرونِ خانہ فرائض ادا کرنا ہے۔ فرائض کا یہ متوازن نظام ایک فطری نظام ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔

۲۔ حکومت کے بارے میں آیات کے عموم کو سندِ جواز بنانا

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹، سورۃ الحج کی آیت ۴۱، سورۃ النور کی آیت ۵۵ اور دوسری آیات و احادیث میں امارت، تمکین اور خلافت و حکومت کی نسبت عام مسلمانوں کی جانب کی گئی ہے۔ جن میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ صیغے اگرچہ مذکر کے آئے ہیں، مگر قرآن کی اصطلاح یہ ہے کہ مذکر کے صیغوں کے عموم میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں، اس عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں حکمرانی کی اہلیت رکھتے ہیں اور عورت کو حکمرانی کے استحقاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن کے عموم کے خلاف ہے۔

جواب

اِن آیات سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ان کی رائے سے بنے گی اور اس کی تشکیل میں مردوں اور عورتوں سب کی رائے شامل ہوگی۔ نیز اس حکومت کی برکات و ثمرات سے بھی مرد اور عورت سب مستفید ہوں گے۔ اِن آیات کا مفہوم وہی ہے ....

.... جو سورۃ الشوریٰ کی آیت وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کا ہے یعنی یہ کہ مسلمانوں کی حکومت اُن کے مشورے (رائے) سے بنے گی اور ان کے مشورے سے چلے گی۔ رائے دہی کے حق میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اس لیے کہ قرآن و سنت میں عورتوں کو حقِ رائے دہی سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ باقی رہیں سربراہِ حکومت کی شرائط اہلیت تو یہ دوسری آیات و احادیث میں بیان ہوئی ہیں کہ وہ مرد ہو، مسلمان ہو، عالمِ دین ہو، متقی و دیانت دار ہو اور جسمانی طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مسند ہوں، ان شرائط کی تفصیل اور دلائل گذشتہ سطور میں بیان کر دیئے گئے ہیں - اگر ان آیات کے عموم سے عورت کی حکمرانی کا جواز ثابت ہوتا ہے تو پھر ان سے یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان پڑھ، لاعلم، فاسق و فاجر اور جسمانی طور پر معذور شخص بھی حکمرانی کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ آیات کے عموم میں تو یہ بھی شامل ہے۔ قرآن کی تفسیر دوسری آیات اور احادیث کی روشنی میں کرنی چاہیے - جب دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ "مرد حکمران ہیں عورتوں پر" "مردوں کو صلاحیتوں میں فوقیت حاصل ہے" اور "عورتوں کا دائرہ کار گھر ہے" اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ حکمرانی کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے اور عورتیں اس ڈیوٹی سے سبکدوش کر دی گئی ہیں تو ان واضح آیات و احادیث کو نظر انداز کر کے امارت و خلافت سے متعلق آیات و احادیث کے عموم کو عورت کی حکمرانی کے لیے جواز کی دلیل بنانا غلط فہمی ہے یا پھر دانستہ طور پر فتنہ انگیزی ہے، استدلال نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شورائی اور جمہوری حکومت پوری قوم کی حکومت ہوتی ہے اس لیے کہ یہ قوم کی رائے سے بنتی ہے اور پوری قوم اس سے استفادہ کرتی ہے۔ لیکن عملاً حکومت کا نظم و نسق چلانے کی ذمہ داری پوری کرنے والے حکمران کے لیے اہلیت کا ایک معیار مقرر ہوتا ہے اور قوم اس معیار پر پورا اترنے والے شخص ہی کو اپنا سربراہ بناتی ہے۔ اسلامی نظام میں سربراہی کے لیے مرد ہونا بھی ایک شرط ہے۔

۳ - ملکہ بلقیس کی حکومت کو سندِ جواز بنانا

محترمہ بے نظیر کے کچھ وکلا کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں قومِ سبا پر ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا ذکر آیا ہے - جو عورت کی حکمرانی کے جائز ہونے کی دلیل ہے -

جواب

ان وکیلوں کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ قرآن کریم میں ملکہ بلقیس کی حکومت کا ذکر تو آیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے مشرکہ ہونے کا ذکر بھی تو آیا ہے (نمل آیت ۲۴) اگر اس آیت سے عورت کی حکمرانی کا جواز ثابت ہو سکتا ہے تو پھر اس سے مشرکہ عورت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمرانی بھی ثابت کی جا سکتی ہے۔ نیز یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ موروثی بادشاہت بھی اسلام میں جائز ہے اس لیے کہ بلقیس کی یہ حکومت موروثی بادشاہت کے اصول پر قائم ہوئی تھی، عوام کی رائے سے قائم نہیں ہوئی تھی۔ قرآن کریم میں مشرک بادشاہوں کی بادشاہتوں کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ مسلمان انہیں نمونۂ عمل بنا دیں، بلکہ اس لیے ان کا ذکر ہوا ہے کہ مسلمان اُن کے طرزِ عمل سے اجتناب کریں۔ مسلمانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بلقیس کی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ ؐ اور خلفائے راشدینؓ کی سنّت اُسوۂ حسنہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ایمان لانے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے بلقیس سے شادی کر لی تھی اور اُسے اُس کی حکومت پر برقرار رکھا تھا۔ تو اس کے جواب میں عرض یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں بلقیس کے ایمان لانے کا ذکر تو آیا ہے۔ (نمل۔ ۴۴) لیکن شادی کرنے اور یمن کی حکومت پر برقرار رکھنے کا نہ ذکر نہ قرآن میں آیا ہے اور نہ سنّتِ رسول ؐ میں آیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ لم یرد فیہ خبرٌ صحیحٌ یعنی اس بارے میں کوئی صحیح الاسناد خبر موجود نہیں ہے۔[1] باقی رہی تاریخ تو اس بارے میں تاریخی روایات تین قسم کی آئی ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت سلیمانؑ نے نکاح کے بعد بلقیس کو اپنے پاس شام ہی میں رکھا تھا۔[2]

دوسری یہ کہ نکاح کے بعد اُسے یمن کی حکومت پر واپس لوٹا دیا تھا۔

تیسری روایت یہ کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کا نکاح ہمدان کے حکمران تُبّع سے کروا کر اُس کے اِس شوہر کو یمن کا حاکم بنا دیا تھا۔[3]

امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بلقیس کے بارے میں قرآن کریم میں بیان کردہ قصے سے زائد جو تاریخی روایات آئی ہیں وہ یہودیوں کی پھیلائی ہوئی اسرائیلیات ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسرائیلیات کی بنا پر تو کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا جب کہ قرآن وسنّت کے احکام ان کے متضاد آ گئے ہوں فافھم۔

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۲۱۱۔

[2] تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۲۱۰۔

[3] الکامل لابن الاثیر جلد ۱ ص ۲۳۷۔ ۲۳۸ اور البدایۃ والنہایہ لابن کثیر جلد ۲ ص ۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت سلیمانؑ نے نکاح کے بعد بلقیس کو اس کی حکومت پر لوٹا دیا تھا تو یہ شریعت سلیمانیہ کا حکم ہوگا شریعتِ محمدیہ میں تو یہ ممنوع ہے۔ انبیاء سابقین کی شریعتوں کا جو حکم شریعتِ محمدیہ کے خلاف ہو وہ ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتا۔

؎ پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

۴۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتوے کو سندِ جواز بنانا

بے نظیر کے شیدائی آج کل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ کے امداد الفتاویٰ جلد ۵ ص ۹۱، ۹۳ پر درج فتوے کو بڑے زور شور سے اچھال رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ جمہوری حکومت میں عورت حکمران بن سکتی ہے اس لیے کہ جمہوری حکومت کی حقیقت مشورہ ہے اور عورت مشورہ دینے کی اہل ہے اور دلیل میں بلقیس کی حکومت کو پیش کیا گیا ہے۔

جواب

یہ فتویٰ حضرت تھانویؒ نے سن ۱۳۳۰ھ میں اپنی وفات سے ۳۲ سال قبل دیا تھا۔ اس فتوے میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ فقہاء نے حدیثِ رسول ؐ کی بنا پر ولایۃ الکاملہ یعنی امامتِ کبریٰ (کامل حکومت) کے لیے مرد ہونا شرط قرار دیا ہے، لیکن نظارت (نگرانی) کے لیے مرد ہونا شرط قرار نہیں دیا۔ اور جمہوری حکومت ولایت کاملہ (مکمل حکومت) نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کی نگرانی اور محض مشورہ ہوتا ہے۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ پارلیمانی طرزِ حکومت میں وزیراعظم ولایت کاملہ اور ولایت عامہ رکھنے والا کامل حکمران ہوتا ہے۔ صرف نگران اور مشورہ دینے والا نہیں ہوتا اسی غلط فہمی کی وجہ سے یہ رائے قائم کی گئی تھی، لیکن تنبّہ کے بعد حضرت تھانوی نے اس رائے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن میں عورت کی حکمرانی کو مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا ہے اور جمہوری و غیر جمہوری کا کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا۔

" ہماری شریعت میں عورت کو حکمران بنانے کی ممانعت ہے۔ پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے اول تو یہ فعل مشرکوں کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہوئے حجت نہیں'' [1]

امداد الفتاویٰ کی تحقیق مولانا تھانویؒ کی وفات سے ۳۲ سال پہلے کی ہے۔ عمر کے آخری سال میں مفتی محمد شفیعؒ نے احکام القرآن (عربی)، کا وہ حصہ حضرت تھانوی صاحب کی خصوصی نگرانی میں لکھا تھا جو ان کے سپرد کیا گیا تھا اور اس میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ:

"محمدؐ کی شریعت میں عورت حکمران بننے کی اہل نہیں ہے اور بلقیس کا واقعہ کفار کا عمل تھا۔ اس لیے حجت نہیں بن سکتا۔" [2]

مفتی محمد شفیعؒ نے خود اپنی تفسیر معارف القرآن میں بھی اجماع نقل کیا ہے کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ بیان القرآن، احکام القرآن اور معارف القرآن تینوں کی صاف اور غیر مبہم تحریر کو نظر انداز کر کے حضرت تھانویؒ کے امداد الفتاویٰ والے پرانے فتوے کو اچھالنا استدلال نہیں ہے بلکہ فتنہ انگیزی ہے۔ علمی تحقیق نہیں ہے، بلکہ علمی خیانت ہے۔ بلقیس کی حکومت کو امداد الفتاویٰ میں دلیل بنایا گیا تھا۔ لیکن بیان القرآن اور احکام القرآن میں حضرت تھانویؒ نے خود ہی یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ کفار کا عمل تھا اور اگر حضرت سلیمانؑ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شریعتِ محمدیہ میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے حجت نہیں تو آخر اس تردید صریح کے ہوتے ہوئے امداد الفتاویٰ کے فتوے کو کس طرح جواز کی دلیل قرار دیا جا رہا ہے۔

(باقی)

تصحیح

شمارہ مارچ - ص ۲۲ سطر ۲۰

"وَسَطًا" کے بجائے "وَسَطاً"

(ادارہ)

---

[1] بیان القرآن - النمل ۲۳ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی اکرمؐ کا خطبہ رمضان المبارک

جناب محمد محسن ٹونکی صاحب

(۲)

۹- اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ - اَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ - اٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ -

نحوی اعتبار سے یہ تینوں جملے فرداً فرداً اپنی جگہ مکمل مفرد جملے ہیں - ہر جملہ مبتدا اور خبر سے مل کر بنا ہے لہٰذا اسمیہ خبریہ ہے - اگر ان جملوں کو حرفِ عطف سے مربوط کر دیا جائے تو پھر ان سے مل کر ایک بڑا جملہ یعنی جملہ معطوفہ بن جائے گا -

علم النحو کے زاویۂ نگاہ کے بجائے اگر ہم علم البیان کے زاویۂ نگاہ سے ان جملوں کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ تشبیہ کی مشاطہ نے ان جملوں کو سنوار رکھا ہے - ان میں فرداً فرداً تشبیہ بلیغ کا گوہر درخشاں ہے -

ہم اپنے مجازی محبوب کے لیے بھی توصیفی اور تشبیہی انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ اس کا قامتِ زیبا قیامت ہے - شاخِ قامت پہ اُس کا چہرۂ زیبا ایک گُلِ نوشگفتہ ہے - اُس کے رخسار پھول ہیں، اُس کی زبان سوسن یا بلبلِ ہزار داستان ہے، اُس کی آنکھیں نرگسِ مستانہ ہیں - اُس کی کاکلیں زنجیریں ہیں - ایک شاعر کا نعتیہ انداز دیکھیے:

ع دو عالم بہ کاکل گرفتار داری

یہ سب محبوب کے سراپا کو بیان کرنے کے مختلف تشبیہی انداز ہیں - اِسی طرح اگر حبیبِ حق اور محبوبِ ربُّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے (فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ وَ فِدَاہُ نَفْسِیْ)

© rasailojaraid.com